کرنے سے منع کیا تھا، بلکہ بعض صحابہ کے ہاتھوں میں سابقہ صحف کے اوراق دیکھ کر ناراضی کا اظہار کیا تھا۔ کتاب کے عنوان کے ساتھ '۱۹۳۰ء تا ۲۰۰۱ء' کی صراحت کی گئی ہے، گویا ان سنین کی درمیانی مدت کے تراجم کا احاطہ کیا گیا ہے، حالاں کہ منتخبہ نو تراجم میں سے جدید ترین ترجمہ ارونگ کا ہے، جن کا انتقال اگر چہ ۲۰۰۲ء میں ہوا ہے، لیکن ان کا ترجمہ ۱۹۸۵ء میں شائع ہو گیا تھا۔

قرآن کے انگریزی تراجم کے جائزہ پر متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ یہ کتاب بھی اپنے موضوع پر مفید اضافہ ہے، امید ہے، علمی حلقوں میں اس کی پذیرائی ہوگی۔ (محمد رضی الاسلام ندوی)

رہبرِ انسانیت — مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ناشر: دار الرشید لکھنؤ و مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، صفحات: ۴۶۴، قیمت -/۲۳۰ روپے

ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی عربی و اسلامیات کے معروف عالم اور مصنف ہیں۔ حال میں ان کی ایک عالمانہ تصنیف سیرت نبوی کے موضوع پر شائع ہوئی ہے، اس کی اہمیت یہ ہے کہ یہ روایتی طرز کی کوئی کتاب نہیں ہے، بلکہ اسے سیرت نگاری کے جدید تقاضوں کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے۔ اس میں سیرت نبوی کے مطالعہ میں آفاقی انداز نظر اختیار کیا گیا ہے اور اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ اگر اسے کسی غیر مسلم کو مطالعہ کے لیے دیا جائے تو وہ بھی آں حضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے متاثر ہو۔ چوں کہ مصنف کی نظر عربوں کے جغرافیہ اور قبائلی نظام پر گہری ہے اس لیے انھوں نے ابتدائی ابواب میں اس موضوع پر عالمانہ مباحث پیش کیے ہیں۔

اس کتاب میں سیرت رسول کی ان اعلیٰ قدروں کو نمایاں کیا گیا ہے جو ساری انسانیت کے لیے اسوہ ہیں۔ اس میں سیرت کے جملہ پہلوؤں کا بیان ہے۔ مکہ کی بعد نبوت تیرہ برس کی زندگی کے ایک ایک پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ خاندانی عظمت سے

لے کر ہجرت تک کے واقعات کا نقشہ کھینچا گیا ہے، پھر مدنی زندگی کا بیان ہے اور غزوات کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے، ان تمام مباحث کے دوران آں حضرت کی دعوتی شان اور اعلیٰ کردار کے واقعات کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ قاری ان سے متاثر ہوتا ہے۔ زبان و بیان میں مصنف نے دل کشی اور سہولت دونوں کا لحاظ رکھا ہے اور اپنے زمانے کے مزاج اور انسانی نفسیات کے مطابق واقعات پیش کیے ہیں اور کوشش کی ہے کہ سیرت سے انسانی عظمت اور اسلام کے اعلیٰ نظریات کو قاری کے ذہن نشیں کر دیا جائے۔

کتاب پر مقدمہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیمات مولانا محمد واضح رشید ندوی نے تحریر کیا ہے۔ اس میں خاص طور پر مستشرقین کی لکھی ہوئی کتبِ سیرت پر ان کا تبصرہ عالمانہ ہے۔ کتاب کے بعض مباحث میں جدّت پائی جاتی ہے۔ ان سے مصنف کی وسیع النظری اور ژرف نگاہی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً انھوں نے مکہ مکرمہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جغرافیائی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کی جگہ انسانی آبادی کے علاقوں کے بالکل وسط میں نظر آتی ہے۔ جو مقام جسم انسانی میں ناف کو حاصل ہے وہی کرۂ ارض پر مکہ کو حاصل ہے۔ اس طرح یہ دنیائے انسانی کا مرکز ہے (ص ٦٧)۔ مولانا نے عہد جاہلیت کی بہت عمدہ تصویر کشی کی ہے (ص ۸۴) حضرت محمد ﷺ کی بعثت مکہ مکرمہ میں کیوں ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے کار دعوت کے لیے عربوں کا انتخاب کیوں کیا؟ اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے فاضل مصنف نے لکھا ہے کہ رومیوں، ایرانیوں یا ہندوستانیوں کے برخلاف عربوں کے دلوں کی تختی بالکل صاف تھی۔ اس میں پہلے سے خود ساختہ نظریات اور تمدنی طریقوں کے نقش و نگار موجود نہ تھے، اس لیے ان پر نئے نقوش قائم کرنا نسبتاً آسان تھا، دوسرے ان کی فکری و عملی قوتیں اور فطری صلاحیتیں محفوظ تھیں (ص ۸۷-۸۸)۔

غزواتِ نبوی پر بحث کرتے ہوئے مولانا نے ان کا موازنہ موجودہ دور کی جنگوں سے کیا ہے اور اہم نتائج مستنبط کیے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ کی تمام جنگوں میں صرف ایک ہزار انسان قتل ہوئے، جب کہ انقلاب فرانس میں ۲۶ لاکھ انسانوں کو قتل کر دیا گیا، روس کے اشتراکی انقلاب میں ایک کروڑ سے زیادہ انسانوں کو قتل کیا گیا

اوران کو برفانی قید خانوں کے حوالے کردیا گیا۔ پہلی جنگ عظیم میں چار سالوں میں ۳۷ لاکھ ۳۸ ہزار انسانوں کو قتل کیا گیا، دوسری جنگ عظیم میں ایک کروڑ چھ لاکھ انسانوں کو قتل کیا گیا۔ مولانا مزید فرماتے ہیں کہ ’’جنگ میں شکست کے بعد دشمن سے تاوان وصول کیا جاتا تھا، مگر مسلمانوں نے کسی جنگ میں دشمن سے تاوان وصول نہیں کیا (ص ۲۳۰-۲۳۱)۔

کتاب کا ساتواں باب حجۃ الوداع پر ہے۔ اس میں مولانا نے جغرافیہ کے مضمون میں اپنی مہارت کی بناپر بڑے اہم حقائق کا انکشاف کیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں: ’’محسّر منی اورمزدلفہ کے درمیان حدِّ فاصل ہےاور دونوں میں سے کسی میں سے نہیں ہے۔ اس طرح عرفہ عرفات اور مشعر حرام کے درمیان حد فاصل ہے۔ اس طرح دو مشاعر کے درمیان ایک حد فاصل ہے جو نہ اس میں داخل ہےاور نہ اس میں ۔ چنانچہ منی حرم میں داخل ہےاور مشعر بھی ہےاور محسّر حرم میں داخل تو ہے مگر مشعر نہیں ہےاور مزدلفہ حرم بھی ہے اور مشعر بھی ہے۔ عرفہ حل میں ہےاور مشعر نہیں ہے۔ عرفات حل میں داخل ہےاور مشعر بھی ہے‘‘ (ص ۳۵۱-۳۵۲)۔ مولانا نے ایک تصریح بڑی عمدہ کی ہے ’’نبی کریم ﷺ نے دو دن میں کنکری مارنے میں جلدی نہیں کی، بلکہ تیسرے دن بھی رک کر پورے تین دن کنکری ماری اور منگل کے دن ظہر کے بعد وادی محصّب کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادافرمائیں اور سو گئے، پھر صبح اٹھ کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے‘‘ (ص ۳۵۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت یہ ہے کہ منی میں پورے تین دن رہ کر اور تیسرے دن رمیٔ جمار کر کے عشاء کے وقت نماز پڑھ کر مکہ واپس ہوا جائے۔ مگر ہوتا ہے کہ سارے حاجی دوسرے دن شام تک منیٰ خالی کردیتے ہیں۔ یہ تو صرف قرآن مجید نے دو دن کی اجازت دی ہے، مگر سنت رسول تین دن رکنا اور کنکری مارنا ہے۔

اختصار پیش نظر رہنے کی وجہ سے مصنف سے بعض اہم واقعات کا بیان چھوٹ گیا ہے۔ آئندہ ایڈیشن میں انھیں شامل کردینا مناسب ہوگا، مثلاً غزوۂ بدر کے موقع پر آں حضرت ﷺ نے ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا، اس پر حضرت حباب بن منذرؓ نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول، یہ اللہ کا حکم ہے یا جنگی تدبیر ہے؟ آپؐ نے جواب دیا: یہ جنگی